OPEN ACCESS: http://theislamicculture.com

The Islamic Culture
Bi-Annual Research & Refereed Journal
Published by
Sheikh Zayed Islamic Centre,
University of Karachi
SZIC
الثقافة الإسلامية
ISSN (Print) : 1813-775X
ISSN (Online) : 2663-1709

اردو شعرا کی دینی تعلیم وتربیت میں مولانا فخر الدین دہلویؒ کا کردار

Maulana Fakhr-ud-Din Dehlavi's role in the religious education and training of Urdu poets

***Irshad Ahmad**
PhD Research Scholar, Department of Urdu, AIOU Islamabad

****Dr. Hafiz Ghulam Anwar Al-Azhari**
Associate Professor & Head Department of Islamic Studies, Mohi-Ud-Din Islamic University Nerian Sharif, Azad Kashmir

*****Dr.Hafiz Faiz Rasool**
Assistant Professor, Dept. of Islamic Studies, Lahore Garrison University, Lahore

☆ارشاد احمد
پی ایچ ڈی ریسرچ اسکالر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

☆☆ڈاکٹر حافظ غلام انور الازہری
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، محی الدین اسلامی یونیورسٹی، نیریاں شریف، آزاد کشمیر

☆☆☆ڈاکٹر حافظ فیض رسول
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اسلامک اسٹڈیز، لاہور، گیریژن یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Maulana Fakhruddin Dehlavi (d. 1199 AH) was a political, social and spiritual leader of the eighteenth century AD who adorned the backward people of the Indian subcontinent with knowledge and wisdom. He performed the duty of a selfless leader and sincere preacher in the turbulent times when the society was in turmoil. To this

end, he undertook the task of imparting scientific and spiritual training to all sections of the society. He has also paid special attention to the most sensitive of these sections of the society, namely poets and other literary people. Since he himself had knowledge and cognition of Sufism and spirituality as well as high literary tastes, he has played an important role in the education and training of Urdu and Persian poets. Many trustworthy poets of the classical period who directly benefited from his school of thought are included, such as Ghulam Hamdani Mushafi, Mir Mohammadi Bedara and Mir Mohammadi Mail, etc. This article will provide an overview of Maulana's literary services.

Keywords: Spirituality ,Sufism, Poetry ,Literature, Eighteenth centaury

خلاصہ: مولانا فخر الدین دہلویؒ (م:۱۱۹۹ھ) اٹھارہویں صدی عیسوی کے ایک سیاسی, سماجی اور روحانی بزرگ گزرے ہیں جنھوں نے برصغیر پاک وہند کے پسماندہ عوام کو زیور علم و دانش سے آراستہ کیا۔ انھوں نے اس پر آشوب دور میں جہاں معاشرہ ہرج مرج کا شکار تھا، ایک بے لوث رہنما اور مخلص مبلغ کا فریضہ انجام دیا۔ اس مقصد کے لیے انھوں نے معاشرہ کے تمام طبقات کی علمی اور روحانی تربیت کا بیڑا اٹھایا۔ معاشرہ کے ان طبقات میں سے حساس ترین طبقے یعنی شعراء وادبا پر بھی ان کی خصوصی توجہ رہی ہے۔ وہ چوں کہ خود علم و معرفت اور تصوف و روحانیت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ ادبی ذوق بھی رکھتے تھے۔ اس لیے انھوں نے اردو اور فارسی شعراء کی تعلیم و تربیت میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ ان کے دبستان سے براہِ راست فیض یاب ہونے والے کلاسیکی عہد کے کئ ایک ثقہ شعراء شامل ہیں جیسے غلام ہمدانی مصحفیؔ، میر محمدی بیدارؔ اور میر محمدی مایلؔ وغیرہ۔ اس مضمون میں مولانا کی انھی ادبی خدمات کا ایک تنقیدی جائزہ پیش کیا جائے گا۔

کلیدی الفاظ: تصوّف، شعرا، کلاسیکی عہد، اٹھارھویں صدی عیسوی، تعلیم و تربیت

مولانا فخر الدین دہلویؒ سلسلۂ چشت کے ایک بلند مرتبہ بزرگ گزرے ہیں، جنھوں نے اٹھارہویں صدی عیسوی میں جب برصغیر کا خطۂ عرض سیاسی اعتبار سے شدید انتشار اور شکست و ریخت شکار تھا، عوام کے مختلف طبقات کو علومِ روحانی و وجدانی کی طرف مائل کیا۔ سلسلۂ چشت سلاسلِ تصوف میں سے ایک معتبر اور قابلِ التفات سلسلہ ہے، جس کی ابتدا خواجہ حسن بصریؒ (م:۱۱۰ھ) سے ہوئی۔ (1) خواجہ حسن بصریؒ نے یہ فیضانِ باطنی امام الاولیاء اور خلیفۂ راشد حضرت علی علیہ السلام سے لیا، جب کہ حضرت علیؑ نے براہِ راست سید المرسلین، منبعِ حقیقت و معرفت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خلافت و ولایتِ عظمیٰ حاصل کی۔ (2) شاہ فخر الدین دہلویؒ علم و عمل اور عرفان و معرفت کے اعتبار سے ایک ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ انھوں نے اپنے اسلاف کی طرف سے تفویض کردہ بارِ تصوف کی عظیم ذمہ داری کو نہ صرف بہ حسنِ خوبی نبھایا، بل کہ اس سلسلۂ عالیہ کی نئے سرے سے تجدید کر کے

سلسلۂ چشتیہ نظامیہ فخریہ کی داغ بیل ڈالی۔(3) انھوں نے اپنی ذاتی مساعی اور اپنے خلفائے کثیر کے ذریعے سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی ترویج وترقی کو ایک تحریک کی شکل دے دی۔ اسی بنا پر انھیں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کا مجدّد کہا جاتا ہے۔(4)

کسی بھی معاشرے میں علم اور ادب کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے۔ علم کے بغیر ادب سطحی اور عامیانہ ہوتا ہے، جس کے اندر معاشرتی رویوں میں انقلاب کی سکت نہیں ہوتی اور نہ ہی فکر وخیال کی گہرائی وگیرائی ہوتی ہے۔ اسی طرح ادب، شعر اور دوسرے تہذیبی عناصر کے فقدان کی فضا میں تعلیمی وتدریسی محافل خشک اور بے کیف محسوس ہوتی ہیں اور معاشرے میں علمی تعصب، رعونت اور آمریت کے اثرات بڑھنے لگتے ہیں۔ اہل علم ودانش اور اہل مذہب وتصوف میں سے جو شخصیات معاشرے میں ایک ہمہ جہتی اصلاحی اور تعمیری کام کو فروغ دینا چاہتی تھیں، اس پہلو کا شعور وادراک رکھتی تھیں۔ وہ معاشرے کے تمام طبقات کو اصلاح وتربیت کے دھارے میں لانا چاہتی تھیں۔ بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ، شاہ سعد اللہ گلشنؒ، مرزا مظہر جان جاناںؒ اور شاہ فخر الدین دہلویؒ وغیرہ اسی فکر وخیال کی حامل شخصیات میں شامل ہیں۔ انھی کے تلازمے میں تحریک علی گڑھ کے مصلحین میں سے سب سے اہم سر سید احمد خان، مولانا شبلی نعمانی، مولانا حالی اور علامہ محمد اقبال کے نام شامل ہیں۔ ان کے طریقۂ تبلیغ ونشر واشاعت میں فرق ہو سکتا ہے اور یہ بھی علم وادب کا حسن ہے، تاہم فکر وخیال کے اعتبار سے یہ تمام حضرات جسدِ واحد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

شاہ فخر الدین دہلویؒ کے ادبی پس منظر کا جائزہ لیا جائے تو پورے وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ انھیں شعر وادب کے ساتھ گہرا شغف تھا۔ وہ چوں کہ عربی اور فارسی زبان پر عبور رکھتے تھے، اس لیے ان کی تصنیفات میں فارسی اشعار کا استعمال کثرت سے ملتا ہے ۔ تحریر کے علاوہ تقریر میں اور نجی محافل میں بھی وہ اپنے ذوقِ شعر گوئی اور سخن فہمی کی تسکین کرتے رہتے تھے۔ اسی ذوق کے پیش نظر وہ اپنے مدرسۂ دہلی میں ہر جمعہ اور منگل کو اپنی مخصوص نشست میں مولوی عظمت اللہ صاحب سے بلاناغہ مثنوی مولانا روم سنتے تھے۔ (5) "مناقبِ فخریہ" اور "فخر الطالبین" میں شاہ صاحب کے بہت سے ایسے واقعات درج ہیں جن سے بہ خوبی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف شعر وسخن کا اعلیٰ مذاق رکھتے تھے، بل کہ اکثر وبیشتر فارسی میں اور کبھی کبھار ریختہ میں بھی شعر کہتے تھے۔ وہ اکثر اوقات فارسی اشعار کی توضیح وتشریح اپنے مریدین کے سامنے کرتے تھے۔ ان کے ملفوظات اور حالات وواقعات پر مبنی دو تصانیف ''فخر الطالبین'' اور ''مناقبِ فخریہ'' اہم اور مستند ماخذات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کے علاوہ ''رقعات مرشدی'' بھی مولانا کے مکتوبات کا مجموعہ ہونے کے باعث ان کے حالاتِ زندگی کا اہم ترین ماخذ ہے۔ ان تینوں تصانیف میں بہت سے ایسے واقعات موجود ہیں، جن سے شاہ صاحب کے ادبی ذوق کی ایک واضح تصویر ابھرتی ہے۔ میر نذر علی دردؔ کاکوروی مترجم ''فخر الطالبین'' نے مولانا فخر الدین دہلویؒ کی درج ذیل اردو اور فارسی رباعیات نقل کی ہے۔(6)

میرے مولا قل ھو اللہ احد کے واسطے

اسم اعظم اور اللہ الصمد کے واسطے

اپنی ماں کے، باپ کے جد کے واسطے

یا حسین ابن علی پہنچو مدد کے واسطے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ سنیم کہ زلم طعنہ رافضی احمق

نہ رافضی کہ کنم سینہ و گریباں شق

مرید حضرت عشقم ولے نمی دانم

کہ کیست بر سر باطل و کیست بر سر حق

دیوانِ ولیؔ کی دلی آمد (۱۱۳۳ھ) کے بعد شمالی ہند، خصوصا دہلی میں اردو شاعری نے ایک نیا موڑ لیا جس کے نتیجے میں ایک صدی سے بھی کم عرصے میں یہ زبان اپنے عہدِ زرّیں (دورِ میرؔ و سوداؔ) میں داخل ہوگئی۔ دہلی میں اردو شاعری کے اس دور کو زرّیں اور ترقی یافتہ بنانے میں جہاں اور بہت سے عوامل و عناصر کار فرما رہے ہیں، وہاں بعض ایسی نابغۂ روزگار شخصیات کا کردار بھی حد درجہ اہمیت کا حامل ہے جن کا تعلق مذہب اور تصوف سے تھا۔ ان شخصیات میں مرزا مظہر جانِ جاناں، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور شاہ فخر الدین دہلویؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی اردو زبان و ادب میں شاعری سے زیادہ نثر میں خدمات قابلِ توجہ ہیں، کیوں کہ قرآن مجید کا پہلا فارسی ترجمہ خود شاہ صاحب نے جب کہ پہلا اردو ترجمہ ان کے فرزندِ رشید شاہ عبد العزیز نے کیا جو بلاشبہ مدرسہ رحیمیہ کا ایک عظیم علمی اور ادبی کارنامہ ہے۔ اس دور میں مرزا مظہر جان جاناںؒ اور مولانا فخر الدین دہلویؒ دارالسلطنت دہلی میں دو ایسی شخصیات تھیں، جو مذہب و تصوف و اخلاق، عوامی میل جول، ادب و تہذیب غرض زندگی کے ہر پہلو سے متاثر کن شخصیات تھیں۔ معاشرے میں ان کا اثر ورسوخ ایک غریب حجام سے لے کر سپہ سالارِ جنگ تک سب پر یکساں تھا۔ جس طرح مرزا مظہر نے اپنے شاگردانِ شعر و سخن کو مسلمانوں کے

دینی و تہذیبی دھارے سے منسلک کرنے کی شعوری کوشش کے تحت ہندی، دکنی اور سنسکرت زبانوں سے ہٹا کر عربی و فارسی کے تہذیبی مرکز سے جڑے رہنے کی سعیِ بلیغ کی، اسی طرح شاہ فخر الدینؒ نے بھی اردو شعرا کی ایک کثیر تعداد کو اسی دینی و مذہبی سرچشمے کے ساتھ تمسک پیدا کرنے کی ہر ممکن شعوری کاوش کی۔

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی عیسوی دورِ پُر آشوب میں دہلی کے اجمیری دروازے کا مدرسہ غازی الدین خان، جہاں شاہ صاحب دعوت وارشاد کی مسند بچھائے ہوئے ہیں، صرف ایک مذہبی درسیات کی تدریس تک محدود نہیں ہے، بل کہ ہندوستان کا ایک اہم تہذیبی، معاشرتی، سیاسی اور اجتماعی مرکز بنا ہوا ہے۔ یہاں سے ایک وقت میں دینی طلباء قرآن وحدیث سے فیض یاب ہو رہے ہیں تو دوسرے وقت میں اہلِ فن، قوال و موسیقار، تخلیق کار اور شعراء وادبا مستفید ہو رہے ہیں اور کبھی امراء و بادشاہ اس درسگاہ کی توجۂ خاص کے طلب گار دکھائی دیتے ہیں۔ مولانا فخر الدین دہلویؒ نے اس دور میں بلاشبہ ایک ایسے مدبر و مفکر اور مربیؔ و مصلح کا کردار ادا کیا ہے جو مرکزِ ہندوستان میں بیٹھ کر ملک کے کونے کونے میں اسلامی تہذیب و معاشرت اور معرفت و روحانیت کے فروغ کے عظیم مقصد کے پیش نظر معاشرے کے تمام مکاتیبِ فکر کی تربیت میں ہمہ تن مصروف عمل رہے۔ جہاں تک اردو شعر و ادب کا اس علمی و تہذیبی مرکز سے اخذ و استفادے کا تعلق ہے، تو اس ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور کے کئی ثقہ شعراء نے شاہ فخر الدینؒ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ جن شعرا نے مولانا صاحب کے ہاتھ پر بیعت کے ذریعے ان سے اکتساب کیا یا ان کی محفل و صحبت سے بلاواسطہ یا بالواسطہ استفادہ کیا ہے، ان کا ایک اجمالی جائزہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

خواجہ احسن اللہ بیانؔ دلی کے ایک بلند پایہ شاعر تھے۔ وہ شاہ حاتمؔ کے ہم عصر اور میرؔ و سوداؔ کے سینئر معاصر تھے۔ انھوں نے شاعری میں مرزا مظہر جان جاناں کی شاگردی اختیار کی، لیکن علم و روحانیت میں شاہ فخر الدینؒ کے ہاتھ پہ بیعت کی۔(7) تقریباً تمام تذکرہ نویسوں نے ان کی شیریں بیانی اور زبان کی سادگی وصفائی کی تعریف کی ہے۔ ان کا نمونۂ کلام یہ ہے:

ہوئی آہ اب اس قدر نارسا

کہ سینے سے آتی نہیں لب تل

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کیا ہوا عرش پر گیا نالہ

دل میں اس شوخ کے تو راہ نہ کی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

جاتا ہے یار کچھ تو بیاںؔ منہ سے بول لے

اے بدنصیب مانعِ گفتار کون ہے(8)

شاہ محمدی بیدارؔ ایک اور قادرالکلام شاعر تھے جن کی شاعری کا امتیاز عشقِ حقیقی اور تصوف و عرفان ہے۔ وہ میر تقی میرؔ کے معاصر تھے۔ ''نکات الشعرائ''میں میر نے انھیں مرتضی قلی بیگ فراق کے دوستوں میں سے قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اپنا بھی ان سے اکثر وبیشتر محفل میں میل جول رہتا تھا۔ بیدارؔ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شاعری کی ہے۔ اکثر تذکرہ نویسوں نے انھیں فارسی میں مرتضی بیگ، جب کہ ریختہ میں خواجہ میر دردؔ کا شاگرد ظاہر کیا ہے۔ مصحفیؔ نے بیدارؔ کے ساتھ دہلی میں گزرے ایام اور محفل کو حسرت کے ساتھ یاد کیا ہے(۹) بیدارؔ، شاہ فخر الدین دہلویؒ کے نہ صرف مرید تھے، بل کہ ان کے خلیفہ بھی تھے جنھیں جوانی ہی میں شاہ فخرؒ نے اپنے ہاتھوں سے خرقۂ خلافت عطا کیا۔ اس خلافت کے بعد وہ پوری زندگی سلسلۂ چشتیہ کی خانقاہ میں بیٹھ کر اپنے بزرگوں کی مسند سنبھالے رہے۔ ان کا مختصر نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے:

الماس و گوہر سے فزوں ہے تیرے دنداں کو

کیا تجھ لب ہیں ہم رنگ خجالت لعل و مرجاں کو

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ہم پے سو ظلم و ستم کیجئے گا

ایک ملنے کو نہ کم کیجئے گا

یہ وہی فتنہ و آشوب جہاں ہے اے بیدارؔ

دیکھ کر پیر و جوان جس سے حزر کرتے ہیں(10)

غلام ہمدانی مصحفیؔ بھی شاہ فخر الدین دہلویؒ سے منسلک اٹھارہویں صدی کے ایک اہم اور نمائندہ شاعر ہیں۔ وہ اپنے قیامِ دلی کے دوران میں شاہ فخر الدینؒ کے مدرسۂ غازی الدین خان میں درس و تدریس کی محافل میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے۔ اسی درس گاہ میں ان کی آشنائی شاہ محمدی بیدارؔ سے ہوئی جن کے توسط سے مصحفیؔ، مولانا فخر الدینؒ کے مرید ہوئے۔ انھوں نے اپنے دیوانِ قصائد

میں ایک قصیدہ بھی شاہ فخر کی مدح میں تحریر کیا ہے۔ وہ اردو اور فارسی کے پر گو شعراء میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے اردو شاعری کے نو دیوان شائع ہو چکے ہیں جو ان کی پر گوئی کے ساتھ ساتھ استادی اور قادر الکلامی کا بھی منہ بولتا ثبوت ہیں۔ ذیل میں ان کا نمونہ کلام دیکھیے:

واں چشم فسوں ساز نے باتوں میں لگایا

دے پیچ ادھر زلف اڑا لے گئی دل کو

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

کنج قفس میں ہم تو رہے مصحفی اسیر

فصل بہار باغ میں دھومیں مچا گئی

کیا دید میں عالم کی کروں جلوہ گری کا

یہاں عمر کو وقفہ ہے چراغ سحری کا(11)

نواب غازی الدین نظامؔ دکن کے قابلِ قدر اور جہاں دیدہ امراء میں شمار ہوتے ہیں۔ نواب صاحب سلطنتِ مغلیہ میں عماد الملک اور وزیر الممالک جیسے مناصب پر فائز رہے ہیں۔ ان کے آباؤ اجداد کے شاہ فخر الدینؒ کے اسلاف سے دیرینہ تعلقات تھے۔ ان کے جد، نظام الملک آصف جاہ اوّل کو شاہ فخر کے والد، نظام الدین اورنگ آبادی کی دعا سے دکن کی امارت ملی تھی۔ انھی تعلقات کی بنا پر شاہ فخر نے دہلی میں مدرسۂ غازی الدین خان کا انتخاب کیا تھا۔ یہ مدرسہ والیِ دکن غازی الدین خان فیروز جنگ نے بنوایا تھا۔ فیروز جنگ، نواب غازی الدین نظام کے دادا تھے۔ ان کا پورا شاہی خاندان شاہ فخر الدینؒ اور ان کے خانوادے سے والہانہ عقیدت و محبت رکھتا تھا۔ دکن کے ان نوابین کا شاہ فخرؒ کے خاندان سے تعلق ایک امیر اور رعایا والا نہ تھا، بل کہ پیر و مرید اور غنی و حاجت مند کا سا رشتہ تھا۔ سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوار ان کا یہ وتیرہ رہا ہے کہ انھوں نے ہمیشہ فقر اور استغناء کو اپنا سرمایۂ دنیا و آخرت سمجھا جس کی بنا پر بادشاہانِ وقت کی کاسا لیسی اور مصاحبی سے ہمیشہ دور رہے۔ اس کا ثبوت شاہ فخر الدین کے والدِ بزرگوار شاہ نظام الدین اورنگ آبادی کا والی دکن نواب غازی الدین خان فیروز جنگ کی دعوتِ دربار کو ٹھکرانا ہے جس پر ان کے مرشد شاہ کلیم اللہ دہلوی نے اپنے ایک خط میں خوشی و مسرت کا اظہار کیا ہے "مکتوباتِ کلیمی" میں مرقوم ایک خط میں شاہ کلیم اللہ اس مریدِ خاص کو لکھتے ہیں :

"تمہیں معلوم ہو کہ خدمت میں بادشاہ حاضر ہوئے ہیں اور اس کو اپنے لیے سعادت سمجھا ہے۔ غازی الدین خان تو بادشاہ کے نوکروں میں سے ہے۔ اگر وہ مجھے لکھے گا تو بھی میں اجازت نہیں لکھوں گا۔"(12)

انھی والیِ دکن کے پوتے، نواب غازی الدین نظامؔ، شاہ فخر الدینؒ سے بیعت تھے اور ان سے عشق کی حد تک محبت کرتے تھے جس کا ثبوت ان کی تالیف "مناقبِ فخریہ" ہے، جس میں انھوں نے اپنے پیر و مرشد شاہ فخرؒ کے حالات و واقعات کو تمام تر جزئیات کے ساتھ نہایت دل نشین پیرائیہ نثر میں تحریر کیا ہے۔ نواب صاحب بہادر سپہ سالار، منتظم و مہتمم ہونے کے ساتھ ساتھ ایک بلند مرتبہ شاعرِ فارسی و ریختہ اور صاحبِ طرز نثر نگار بھی تھے۔ شاعری میں انھوں نے شاہ فخر کی مدح سرائی میں ایک مثنوی "فخریت النظام" بہ زبانِ فارسی بھی تخلیق کی ہے جو فارسی شاعری کا ایک شاہکار تصور کی جاتی ہے۔ حال ہی میں ڈاکٹر معین نظامی نے یہ مثنوی اہم حواشی و تعلیقات کے ساتھ مرتب کی ہے۔ اس کے علاوہ نواب صاحب کا فارسی دیوانِ شاعری بھی شائع ہو چکا ہے۔ ان کی اردو شاعری کا دیوان تو ابھی تک دستیاب نہیں ہے، تاہم تمام تذکرہ نویسوں نے ان کے اردو اشعار کا نمونہ دیا ہے۔ حکیم قدرت اللہ قاسم نے اپنے تذکرے "مجموعۂ نغز" میں ان کی شخصیت اور فن پر تبصرہ کرتے ہوئے ان کے قریباً بیالیس کے قریب اردو شعر بھی بہ طور نمونہ تحریر کیے ہیں،(13) جب کہ نواب محمد مصطفی خان شیفتہ نے "گلشن بے خار" میں ان کے کلام کو شرح و بیان سے مستغنی قرار دیا ہے اور نواب مرزا سوداؔ جیسے استاد شاعر کو ان کے مداحوں میں سے قرار دیا ہے۔(14) اس سے نواب غازی الدین نظامؔ کی فنِ شاعری پر قدرت و مہارت کا پتہ چلتا ہے۔ نواب صاحب نے اپنی فارسی اور اردو شاعری میں جگہ جگہ اپنے پیر و مرشد مولانا فخر الدینؒ کو خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کی اردو شاعری کا نمونہ ملاحظہ کیجئے:

اعجاز لب اس کا دم عیسی سے نہیں کم
وہ پنجۂ سیمیں ید بیضا سے نہیں کم

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پھر چمن میں کون اس خوبی سے مست ناز ہے
جلوہ گل جس کے آگے فرش پا انداز ہے(15)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دل تڑپے ہے اور دیدہ تکے راہ کسو کی
یارب نہ کسی دل کو لگے چاہ کسو کی

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ رونق گلشن ہیں نہ زینت کسو سر کے

مثل گل بازی نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے (16)

حکیم قدرت اللہ قاسمؔ، صاحب "مجموعۂ نغز" بھی شاہ فخر الدین کے مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ حکیم صاحب نے اپنے اسی تذکرہ ہی میں تجرید و توکل اور درس و تدریس کے سلسلے میں شاہ فخر الدین سے تلمذ اور ان سے اکتساب کا ذکر کیا ہے۔ بہ قولِ حکیم:

"بہ ترک و تجرید توکل و تفرید و درس و تدریسو تعلیم و تعلم بسر می شد و ایں احقر اگرچہ از بد و شعور بخدمت سراپا برکت اہل علم و صاحب دل مانند ضبط زبدہ الواصلین مولانا محمد فخر الدین قدس اللہ سرہ۔" (17)

حکیم قدرت اللہ قاسم ایک صاحب علم اور شعر گوئی کا اعلیٰ ذوق رکھنے والے انسان تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک مستند تذکرہ نویس بھی تھے۔ ان کا "تذکرہ مجموعۂ نغز" کلاسیکی اردو شاعری کا ایک معتبر ماخذ تسلیم کیا جاتا ہے جسے اردو کے محققِ اوّل حافظ محمود شیرانی نے مرتب و مدون کیا ہے۔ حافظ شیرانی نے مولانا محمد حسین آزاد کی شہرہ آفاق تصنیف "آبِ حیات" کا اہم ماخذ حکیم صاحب کی اسی "مجموعہ نغز" ہی کو قرار دیا ہے۔ ان کا نمونہ کلام ملاحظہ کیجیے:

خط پشت لب جاناں کو دیکھا تو نے اے قاسمؔ

سواد چشمۂ حیواں میں کیا سبزہ لہکتا ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چشم نرگس، سرو قد، گلبرگ لب، غنچہ دہن

جلوہ گر ہے یک قلم تجھ میں گلستاں کی طرح

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

اے بتاں کیجئے قبول اب زلف کے ماروں کی عرض

کافر و مانو کبھو تو ان سیاہ کاروں کی عرض (18)

شاہ نیاز احمد بریلوی سلسلۂ فخر الدین دہلویؒ کے ایک اور صوفی منش بزرگ اور قابلِ قدر شاعر ہیں، جنھوں نے نہ صرف شاہ صاحب کے ہاتھ پہ بیعت کی، بل کہ ان کے ایک جلیل القدر خلیفہ کے طور پر انھی کی ہدایت پر بریلی میں سلسلۂ چشت کی ایک عظیم خانقاہ قائم کی۔ شاہ نیاز کی شاعری کا ایک ہی دیوان ہے جو حصۂ فارسی اور حصۂ اردو پر مشتمل ہے۔ شاعری کو انھوں نے پیشے کے طور پر نہیں اپنایا، تاہم جب عشق و معرفت کی گرمی سینے میں نہ سماپاتی تو بے اختیار شعر گوئی کے ذریعے وغبارِ دل ہلکا کرلیتے۔ ان کی شاعری کا مرکزی نکتہ وحدۃ الوجود ہے۔ استاد شاعر غلام ہمدانی مصحفی نے بھی شاہ نیاز سے تلمذ کیا ہے جس کا تذکرہ خود مصحفی نے "ریاض الفصحا" میں یوں کیا ہے" :چند روز میزان ہم ازایشاں در شاہجہان آباد خواندہ بود"(19)(میں نے چند روز شاہجہان آباد میں ان سے میزان بھی پڑھی تھی-)شاہ نیاز کی شاعری میں زبان کی صفائی اور سادگی کے ساتھ ساتھ سوز و گداز بھی قابل توجہ ہے۔ انھوں نے تصوف و عرفان کے باریک اور بلند خیالات کمال سلاست اور روانی کے ساتھ شعری پیرائے میں بیان کئے ہیں۔ ان کی اردو غزل کے چند نمونے دیکھیے :

کہیں عاشق نیاز کی صورت

سینہ بریاں و دل جلا دیکھا

جبھی جا کے مکتب عشق میں سبق مقام فنا لیا

جو کچھ لکھا پڑھا تھا نیاز نے وہ صاف دل سے بھلا دیا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گر سر معرفت کو پاوے شعور تیرا

از ماہ تا بہ ماہی سب ہے ظہور تیرا(20)

دبستانِ فخر الدین دہلویؒ کے ایک اور اہم شاعر اور خلیفہ میر قمر الدین منتؔ ہیں جنھیں صاحبِ مجموعۂ نغز نے " سخن سنج و شیریں گفتار" شاعر کہا ہے۔(21) مختلف تذکروں میں ان کے جو حالات وواقعات دریافت ہوئے ہیں ان کے مطابق منتؔ شرفائے دہلی کے مشہور بزرگ گزرے ہیں، تاہم مصحفی اور بینی نارائن کے بہ قول وہ سونی پت میں پیدا ہوئے۔(22) آبائو اجداد مشہد، ایران سے آئے تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان سے قرابت تھی۔ اور مولانا فخر الدین دہلیؒ کے ہاتھ پہ بیعت تھے۔ شاعری میں منتؔ نے میر شمس الدین فقیر کی شاگردی اختیار کی تھی۔(23) انھوں نے فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں بلند پایہ شاعری کی ہے۔ ان کا فارسی دیوان تو لاہور سے شائع بھی ہو چکا ہے، تاہم اردو کا دیوان کم یاب ہے۔ بیشتر تذکرہ جات میں ان کے چیدہ چیدہ اردو اشعار ملتے

ہیں۔ اٹھارہویں صدی عیسوی کے آخر میں دوسرے شاعروں کی طرح انھیں بھی دہلی کو چھوڑ کر لکھنؤ جانا پڑا، جہاں ایک انگریز عہدے دار مسٹر جانسن بہادر تک اس کی رسائی ہوئی اور انھی کے ہمراہ کلکتہ پہنچے۔ وہاں کے گورنر وارن ہسٹنگز کی سفارش پر والیِ بنگال نے انھیں ملک الشعرا کا خطاب دیا۔(24) منت کی شاعری کا مزاج وہی ہے جو ان کے معاصر شعرائے دہلی کا ہے، یعنی زبان صاف وشستہ، حقیقت و مجاز کا امتزاج، تصوف و معرفت کی چاشنی اور سادگی و پرکاری- ذیل میں ان کا نمونہ کلام دیکھیے

خشک نالے ہو گئے، بہنے سے دریا تھم رہا

چشم میں اپنے نہیں اک عمر سے کچھ نم رہا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

گل نکلے ہیں زمین سے جو برنگ شعلہ

کون دل سوختہ جلتا ہے تہ خاک ہنوز

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

منت آیسے کو دل دیا تو نے

اے میری جان کیا کیا تو نے(25)

اب تک دبستانِ فخر الدین دہلویؒ کے جن شعراء کا ذکر ہو چکا ہے، ان میں سے بیشتر خود صاحب دیوان تھے اور استادی کے درجے پر فائز تھے، اس لیے اردو کے ابتدائی تذکرہ نگاروں نے ان کے فکر و فن پر نقد و بحث کی ہے اور ان کا نمونہ کلام بھی تحریر کیا ہے جب کہ مولانا فخر الدینؒ کے حلقۂ ارادت میں صفِ دوم کے بیسیوں ایسے شاعر بھی شامل ہیں، جنھیں تذکرہ نگاروں نے درِ خور اعتنانہ سمجھا اور اپنے تذکروں میں چند سطریں مختص کرنے کی حد تک بھی اہمیت نہ دی۔ ان میں سے ایک عنایت اللہ حجامؔ عرف کلو بھی ہیں، جو اگرچہ کم علم تھے تاہم موزوں طبیعت کے باعث اپنے تخلص حجامؔ کو مقطعے کے ساتھ ایسی ظریفانہ بندش دیتے کہ محفل لوٹ لیتے تھے۔ عنایت اللہ کلو پیشے کے اعتبار سے حجام تھے لیکن انھوں نے کبھی بھی اس پیشے میں توہین محسوس نہیں کی۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انھوں نے اپنا تخلص بھی حجامؔ ہی رکھا۔ وہ دہلی میں مدرسہ غازی الدین خان کے ساتھ ہی اپنی دکان لگاتے تھے۔ وہ بنیادی طور پر انسانِ ظریف تھے، پھر سونے پے سہاگہ یہ ہوا کہ وہ مرزا رفیع الدین سوداؔ سے اصلاحِ سخن لینے لگے۔ اس لیے حجامؔ فنِ شاعری میں سوداؔ کے علاوہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ مولانا فخر الدین دہلویؒ کے مرید بھی تھے جس کی وجہ سے سماجی اعتبار سے بھی وہ معاشرے میں کبھی

احساس کمتری کا شکار نہیں ہوئے۔ ان باتوں کی وجہ سے وہ میر تقی میرؔ جیسے استاد شاعر کے ساتھ بھی ہجو و چشمک سے پیچھے نہیں ہٹے۔ اس وجہ سے میر تقی میرؔ نے نہ صرف اپنے تذکرے ''نکات الشعرائ'' میں حجامؔ کا کوئی ذکر نہیں کیا، بل کہ ان کی ہجو میں ایک " مثنوی در مذمتِ آئینہ دار" بھی لکھ ڈالی اور یوں خم ٹھونک کر حجامؔ جیسے بے ضرر آدمی کے مدِّمقابل آ گئے۔

کتاب " اردو کے ابتدائی ادبی معرکے " کے مصنف ڈاکٹر یعقوب عامر نے قاضی عبد الودود کے حوالے سے میرؔ اور حجامؔ کے اس معرکے کے پسِ پردہ محرکات کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا اصل موجب سودا کو قرار دیا ہے۔ چوں کہ حجامؔ، سوداؔ کے شاگرد تھے، اس لیے میرؔ نے یہی سمجھا کہ حجامؔ دراصل سودا کے ایما پر ہی اسے طنز کا نشانہ بنا رہا ہے۔(26) حجامؔ ان طبعِ موزوں کے حامل شاعروں میں سے ہیں جن کا کلام سادگی اور صفائی کے ساتھ ساتھ شگفتگی اور ظرافت میں بھی بے مثل ہے اور ایسے شاعر کو زمانے کی گرد میں گم نہیں ہونا چاہیے تھا۔ حجامؔ کا نمونہ کلام دیکھیے:

رقیبوں پہ میاں پڑتا ہے سو سو گھڑے پانی

بلا حجامؔ کو جس روز تم حمام کرتے ہو

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

روز رخسار کے لیتا ہے مزے خوباں کے

بہتر اس سے حجامؔ ہنر کیا ہو گا(27)

حجامؔ کے علاوہ دبستانِ فخر الدینؒ کے ایک اور گمنام شاعر میر غلام حسین یادؔ بھی ہیں۔ نواب مصطفی خان شیفتہؔ نے اپنے تذکرے ''گلشن بے خار'' میں یادؔ کا ذکر یوں کیا ہے: "میر غلام حسین یاد، مولانا عبد العزیز دہلوی کے رشتہ دار اور مولانا فخر الدین کے مرید ہیں۔ فن شعر گوئی میں ثناء اللہ فراق کے شاگرد ہیں۔ "(28) یاد کا نمونہ کلام یہ ہے:

ہے کون جو ہوا بروئے خمدار کے آگے

رستم بھی نہ ٹھہرے تری تلوار کے آگے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نہ لے گا نام کبھو پھر وہ آشنائی کا

فلک نے جس کو دکھایا ہو دن جدائی کا

پھنسا جو زلف میں شانہ تو چھٹ نہیں سکتا

خدا کسو کو نہ دے پیچ مبتلائی کا(29)

انھی صفِ دوم کے شعراء کی فہرست میں ایک نام میر محمدی مائلؔ کا بھی آتا ہے، جنھوں نے فخر الدین دہلویؒ کے فیضان سے خوشہ چینی کی ہے۔ بیشتر تذکرہ نویسوں نے مائل کو قیام الدین قائم چاندپوری کا شاگرد لکھا ہے۔ سماجی اعتبار سے ان کا شمار دہلی کے صاحب علم و حلم بزرگان میں ہوتا تھا۔ تمام تذکروں میں ان کے صرف ریختہ کے اشعار ملتے ہیں جس سے اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ مائلؔ نے زیادہ تر اردو میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کی شاعری کا نمونہ ملاحظہ کیجیے:

جیا جو ہجر میں سو وصل یار دیکھے گا

جو اس خزاں سے بچے گا بہار دیکھے گا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بتوں سے مل کے گنواتا ہے دین و دل مائلؔ

یہ کافر آہ! خدا کا بھی ڈر نہیں کرتا

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

معلوم کچھ نہیں دل بیمار کی خبر

کیا جانئے کہ کیا ہے میرے یار کی خبر(30)

مذکورہ بالا شعراء مولانا فخر الدین دہلویؒ سے براہِ راست، بیعت و خلافت کی صورت میں، درس و تدریس کی شکل میں یا پھر مصاحبت و ہم نشینی کے باعث، مستفید ہونے والوں میں سے ہیں، جب کہ اردو زبان و ادب کے کئی ایسے قادرالکلام شاعر بھی ہیں جو براہِ راست تو مولانا سے مستفید نہیں ہوئے، تاہم بالواسطہ طور پر ان کے خلفاء کے ذریعے ان کے مکتبِ فکر سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان شعرا میں مغلیہ سلطنت کے آخری تاجدار بہادر شاہ ظفرؔ، استاد ابراہیم ذوقؔ اور مرزا اسد اللہ غالبؔ قابل ذکر ہیں۔ "مناقبِ فریدی" میں مذکور ہے کہ شاہ فخر الدینؒ نے اپنے کئی ایک خلفاء کو شاہی خاندان کی تعلیم و تربیت کے لیے متعین کیا تھا شاہوں اور امرا کی تربیت کا یہ

انداز انھوں نے اپنے سلسلے کے بزرگوں سے سیکھا تھا۔ پچھلے صفحات میں لکھا جا چکا ہے کہ شاہ فخر کے والد بزرگوار سید نظام الدین اورنگ آبادی کو بھی ان کے مرشد شاہ کلیم اللہ دہلویؒ نے شاہی لشکر کی تربیت و تعلیم کا فریضہ سونپا تھا۔ اپنے اسلاف کی اسی روش پر چلتے ہوئے شاہ فخرؒ نے اپنے ایک خلیفہ ذی وقار میر محمدی صاحب کو دہلی کے شاہی خاندان کی اصلاح وتربیت کیلیے متعین کیا تھا اور انھیں "شاہ ولایت قلع معلی" بنایا تھا۔(31)

شاہی خاندان کے جو متوسلین شاہ فخرؒ سے بیعت میں تھے، ان کی تعلیم وتربیت میر محمدی صاحب کے سپرد تھی۔ بہادر شاہ ظفر کے روزنامچے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ بھی میر محمدی صاحب کی تربیتی نشستوں میں شریک ہوتے تھے۔ ان کی سواری دھوم دھام کے ساتھ میر صاحب کی خانقاہ پہنچتی تھی۔(روزنامچا بہادر شاہ ظفر: ص ۱۳۳) میر محمدی کے اس حلقۂ درس وتدریس میں ظفر کے علاوہ ان کا بیٹا میران شاہ محمد، اکبر شاہ ثانی کا بیٹا مرزا سلیم اور شیخ ابراہیم ذوق وغیرہ بھی شریک ہوتے تھے اور یہ سب میر صاحب کے مرید تھے۔(32) شاہ فخرؒ کے یہ خلیفۂ خاص میر محمدی صاحب وہی ہیں جن کا ذکر تذکرہ نویسوں نے میر محمدی مائل کے نام سے کیا ہے اور ہم بھی ان کا مختصر احوال پچھلے صفحات میں تحریر کر چکے ہیں۔ اس دعوے کے کئی ثبوت موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ میر محمدی صاحب دراصل میر محمدی مائل ہی ہیں۔ اس کی ایک شہادت یہ ہے کہ کتاب "مزارات اولیائے دہلی" میں میر محمدی کی جائے مدفن "خانقاہ میر محمدی" کے نام سے دہلی میں چتلی قبر کے پاس لکھی ہے (33) جس کا ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی تاریخ ادب اردو جلد دوم میں حوالہ دیا ہے۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ مولوی بشیر احمد دہلوی نے بھی اپنی تصنیف "واقعاتِ دارالحکومت دہلی" جلد دوم میں چتلی قبر کے جوار میں ہی میر محمدی کی خانقاہ کی موجودگی ظاہر کی ہے اور لکھا ہے کہ یہ خانقاہ دراصل مرزا سلیم بن اکبر شاہ ثانی کا گھر تھا۔ میر محمدی صاحب کی قبر انھوں نے فرطِ عقیدت سے اپنی حویلی ہی کے صحن میں بنوائی تھی۔(34) پروفیسر خلیق احمد نظامی نے میر محمدی مائل کی وفات کا سال 1242ھ بمطابق 1826ع لکھا ہے۔(35) مولانا فخر الدین کے ایک ہی فرزند غلام قطب الدین تھے جو دکن میں پیدا ہوئے - دہلی منتقل ہوتے وقت مولانا فخر الدین نے انھیں اپنی بہن کے سپرد کر دیا تھا شاہ فخر کے بعد ان کے یہ فرزند ہی سجادہ نشین ہوئے۔ زہد و فقر اور علم و عمل میں مشہورِ زماں تھے۔ محمد اکبر شاہ ثانی اور بہادر شاہ ظفر ان کے مرید تھے۔ ظفر کے بہت سے اشعار اُن کی مدح سرائی میں ملتے ہیں جیسے:

مرید قطب دیں ہوں، خاکپائے فخر دیں ہوں میں

اگرچہ شاہ ہوں، ان کا غلام کمتریں ہوں میں (36)

غلام قطب الدین نے (۱۲۳۳ھ بمطابق ۱۸۱۲ء) میں وفات پائی۔ ان کے بھی ایک ہی فرزند تھے جن کا نام میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب تھا۔ وہ دہلی میں حویلی قاسم جان کی گلی میں رہتے تھے۔ انھوں نے ۱۸۴۵ء میں وفات پائی۔(37) میاں کالے

صاحب دلی کے ہر خاص وعام میں مقبول اور ہر دلعزیز شخصیت تھے۔ ان کا قلعۂ معلی میں آنا جانا رہتا تھا اور بہادر شاہ ظفر کو ان سے خاص عقیدت تھی۔ اسی تعلق کی بنا پر جنگِ آزادی کے بعد انگریز سرکار نے ان کی جائیدادیں ضبط کرلی تھیں۔ ان کی شخصیت کے بارے میں سرسید احمد خان لکھتے ہیں :"اس زمانے میں ایسا نامی گرامی شیخ نہیں ہے، حضور والا اور تمام سلاطین وجمیع امرا عظام آپ کے نہایت معتقد ہیں۔"(38) دہلی میں مرزا غالب کو میاں کالے صاحب سے خاص محبت تھی اور غالب کا ان کے ہاں آنا جانا معمولاتِ زندگی میں سے تھا، جس کا ذکر انھوں نے اپنے ایک خط میں یوں کیا ہے :

"میں کالے صاحب کے مکان سے اٹھ آیا ہوں۔ بلی ماروں کے محلے میں ایک حویلی کرایہ کو لے کر اس میں رہتا ہوں۔ وہاں کا میرا رہنا تخفیفِ کرایہ کے واسطے نہ تھا، صرف کالے صاحب کی محبت سے رہتا تھا۔"(39)

بہادر شاہ کی طرف سے ان کا وظیفہ بھی مقرر تھا۔ ظفرؔ کی غزلوں میں میاں نصیر الدین عرف کالے صاحب کی مدح سرائی بھی ملتی ہے - ان کی ایک غزل ہے جس میں انھوں نے شاہ فخر ، ان کے فرزند غلام قطب الدین ، نصیر الدین عرف کالے صاحب اور دوسرے بزرگانِ چشت کے ساتھ اظہارِ عقیدت کیا گیا ہے۔ اس غزل کے چند اشعار سنیے:

نظام خانہ فخر جہاں تمھیں تو ہو

قیام سلسلہ وخاندان تمھیں تو ہو

نہ کیوں کر تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین

خدا رکھے تمھیں ان کا نشاں تمھیں تو ہو

تمھارے در پر جھکا کر سر ارادت خلق

کہے ہے کعبہ امن وامان تمھیں تو ہو

تمھاری قوت باطن سے تقویت ہے مجھے

کہ میرے باعث تاب وتواں تمھیں تو ہو

ظفرؔ کو چاہیے تمھیں نصرت نصر الدین

کہ اس کے یار ومددگارِ جہاں تمھیں تو ہو(40)

ماحصل: مذکورہ بالا مباحث سے ثابت ہوتا ہے کہ اردو زبان و ادب کے کئی استاد اور قادرالکلام شعراء جیسے ذوقؔ و ظفرؔ اور مرزا اسد اللہ غالبؔ جیسے نابغۂ فن بالواسطہ طور پر شاہ فخر الدین دہلویؒ کے ارادت مندوں میں سے تھے اور ان کے سلسلۂ روحانی و وجدانی سے منسلک تھے۔ مولانا فخر الدین دہلویؒ نے ہندوستان کے باسیوں کے قلوب و اذہان کی تعمیر سازی کی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے ذہنی طور پر حساس اور رقیق القلب طبقہ یعنی شعراء کے طبقے پر بھی خصوصی توجہ دی ہے۔ انھوں نے اپنے دور کے اردو اور فارسی شعراء کو علمی، روحانی، سماجی اور تہذیبی طور پر باثروت کرنے میں اپنی سعیِ بلیغ کی ہے۔ برصغیر میں اٹھارہویں صدی فکری و تہذیبی اظہار کے حوالے سے شعر و سخن کی صدی کہلائے جانے کی مستحق ہے۔ اس دور میں معاشرے کا ہر خاص و عام اپنے احساسات اور جذبات کا اظہار شعر کی زبان میں کرنا چاہتا ہے یا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی دیکھا دیکھی میں ہر چھوٹا بڑا شاعر غزلوں پہ غزلیں لکھے جا رہا ہے اور یوں سب شعراء اپنے دیوان مرتب کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

ایسے ماحول میں مولانا فخر الدینؒ جو کہ خود بھی شعر گوئی کا اعلیٰ ذوق رکھتے تھے، نے طبقہ شعراء کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا اور ان کے سامنے ادب اور شعر کا ایسا معیار پیش کیا جس کی بنیاد ہزل گوئی، فحش نگاری، ہجوِ قبیح اور عشق و محبت کے حیوانی تصور پر نہ تھی، بل کہ اس کے برعکس انسان دوستی، مذہبی رواداری اور وسیع القلبی کے آفاقی تصور پر تھی۔ ان کی اس تربیتِ شعر گوئی کے نتیجے میں عشقِ حقیقی، تصوف و اخلاق، اور مابعد الطبعیات وغیرہ ہی مقبولِ عام مذاقِ سخن ٹھہرے۔ ان موضوعات کو اردو غزل سمیت تمام اصنافِ سخن بشمول مرثیہ، قصیدہ، اور دوسری اصنافِ نظم میں رواج دینے میں بلاشبہ مولانا فخر الدینؒ کا ایک قابلِ قدر کردار ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ صوفیہ نے شعراء کو عشقِ مجازی سے روکنے کی کبھی کوشش نہیں کی، کیوں کہ وہ اس کی اہمیت کو بہ خوبی جانتے تھے کہ اس دنیا میں تمام کاروبارِ حیات عشق و محبت کی گرمی ہی سے رواں دواں ہیں۔ اس لیے انھوں نے عشق مجازی میں علویت اور رفعت کو داخل کر دیا۔ جس کے باعث یہ جذبہ حیوانیت اور جنس پرستی جیسی پست سطح سے اوپر اٹھا اور تعمیرِ ذات اور کتھارسس کی بلند سطح پر آ گیا۔

چناں چہ ہم دیکھتے ہیں کہ اٹھارہویں صدی عیسوی کی ابتدا میں جو اردو غزل ایہام گوئی اور کفایتِ لفظی کے زیرِ اثر لفظی شعبدہ گری اور جسم و جنس تک محدود تھی، شاہ فخر جیسی علمی اور روحانی شخصیات کی کوششوں سے سادہ گوئی، عشقِ مجازی اور اس کے ساتھ ساتھ عشقِ حقیقی کے صحت مند و معتدل اظہار و ابلاغ جیسے موضوعات سے وسعت آشنا ہوئی۔ یہ غزل معاشرتی ناہمواریوں، سماجی رویوں اور اربابِ اختیار و حکومت و سلطنت کے ظلم و بربریت کے خلاف طنز اور تنقید جیسے موضوعات کے ساتھ معاشرے میں تربیتِ انفرادی و اجتماعی کا فریضہ انجام دینے لگی۔ اردو شاعری کی اس بدلی ہوئی روش کے اثرات دبستانِ فخر الدین دہلویؒ کے بعد غالبؔ و مومنؔ سے ہوتے ہوئے سرسید، حالیؔ اور پھر اقبالؔ کی شاعری میں واضح طور پر محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ غزل کی یہ روایت موجودہ دور تک جاری و ساری ہے۔ گویا اہلِ تصوف و عرفان کا یہ فیضانِ باطنی اپنے فکر انگیز نظامِ خیال اور دل پزیر طرزِ اظہار کے ساتھ عہدِ موجود کے شعر و

ادب پر بھی اثر انداز ہے۔ اس لیے تو "مناقبِ فخریہ" کے مصنف نواب غازی الدین نظامؔ اپنے مرشد شاہ فخر الدین دہلویؒ کو یوں خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں:

نظام ملک عشق از وے مناسب

نظام آخر غلام فخر دین ست (41) ["یہی سبب ہے کے ملکِ عشق کا نظام درست ہے، آخر نظام، فخر دین کا غلام ہے۔"]

حوالہ جات

(1) خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشائخ چشت (جلد اول)، کراچی، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس 2007ع، ص:97

(2) خواجہ امام بخش مہاروی: مخزن چشت، مرتبہ: پروفیسر افتخار احمد چشتی، فیصل آباد، چشتیہ اکادمیٔ 1989ع، ص:113

(3) ایضاً، ص:۱۸

(4) بہ حوالہ: پروفیسر افتخار احمد چشتی، دیباچہ مخزن چشت، ص:14 پروفیسر خلیق احمد نظامی: تاریخ مشائخ چشت، جلد پنجم، ص:202

(5) خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشایخ چشت، جلد پنجم، ص:166، 200

(6) درد، میر نظر علی کاکوروی: (مترجم و مرتّب) فخر الطالبین و مناقب فخریہ، کراچی، سلیمان اکیڈمی، 1961ع، ص:82

(7) مولانا حکیم سید عبد الحئ: گل رعنا، اعظم گڑھ، مطبع معارف، 1370ھ، ص:196

(8) بیان، خواجہ احسن اللہ خان: دیوان بیان، مرتبہ: ارجمند آرا، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، 2001ع، ص:103، 131

(9) مصحفی، غلام ہمدانی: تذکرہ ہندی، مرتبہ: مولوی عبد الحق، اورنگ آباد، انجمن ترقی اردو، 1933ع، ص:31

(10) بیدار، شاہ محمدی: دیوان بیدار، مرتبہ: جلیل احمد قدوائی، یوپی الہ آباد، ہندوستانی اکیڈمی، 1937ء، ص:34

(11) مولانا حسرت موہانی: انتخاب: دیوان مصحفی، لاہور، مکتبہ میری لائبریری، 1970ع، ص109

(12) شاہ کلیم اللہ دہلوی: مکتوبات کلیمی، مکتوباتِ شاہ کلیم اللہ دہلوی، دہلی، مطبع یوسفی، 1301ھ، مکتوب 97، ص:68

(13) قاسم، حکیم قدرت اللہ: مجموعہ نغز جلد دوم، مرتبہ: حافظ محمود شیرانی، لاہور، پنجاب یونی ورسٹی، 1933ع، ص:270-280

(14) شیفتہ، نواب محمد مصطفی: گلشن بے خار، مترجم: محمد احسان الحق فاروقی، کراچی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل، ریسرچ، 1962ع، ص:520

(15) قاسم، حکیم قدرت اللہ: مجموعہ نغز، جلد دوم، ص:280

(16) مصحفی، غلام ہمدانی: تذکرہ ہندی، ص:260

(17) قاسم، حکیم قدرت اللہ: مجموعہ نغز، جلد دوم، ص:93

(18) ایضاً، ص:94-100

(19) مصحفی، غلام ہمدانی: ریاض الفصحا، دہلی، انجمن ترقی اردو، 1954ء، ص:339

(20) نیاز، شاہ نیاز احمد بریلوی: دیوان نیاز بریلوی، مرتبہ: انوار الحسن، لکھنؤ، مطبع نولکشور، س۔ن، ص:108، 110، 111

(21) قاسم، حکیم قدرت اللہ: مجموعہ نغز، جلد دوم، ص:215

(22) مصحفی، غلام ہمدانی: تذکرہ ہندی، ص:230

(23) ابو للیث صدیقی، ڈاکٹر: لکھنو کا دبستان شاعری، جلد اول، کراچی، غضنفر اکیڈمی، 2002ء، ص:139

(24) ایضاً

(25) لطف، مرزا علی، گلشن ہند، مرتبہ مولوی عبد الحق و مولانا شبلی نعمانی، لاہور، رفائے عام اسٹیم پریس، 1906ء، ص192

(26) یعقوب عامر، ڈاکٹر: اردو کے ابتدائی ادبی معرکے، نئی دہلی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، حکومتِ ہند، 2015ء، ص:91

(27) یعقوب عامر، ڈاکٹر: اردو کے ابتدائی ادبی معرکے، ص:124

(28) شیفتہ، نواب محمد مصطفی: گلشن بے خار، ص:541

(29) قاسم: حکیم قدرت اللہ: مجموعہ نغز، جلد دوم، ص:353

(30) ایضاً، ص:151

(31) احمد اختر مرزا: مناقب فریدی، دہلی، مطبع احمدی، 1314ھ، ص:204

(32) خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشائخ چشت جلد پنجم، ص:206

(33) محمد عالم شاہ فریدی دہلوی: مزارات اولیائے دہلی، دہلی جید برقی پریس، 1346ھ، ص:128

(34) مولوی بشیر احمد دہلوی: واقعات دار الحکومت دہلی، جلد دوم، آگرہ، 1919ء، ص:152

(35) خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشائخ چشت جلد پنجم، ص:206

(36) ایضاً، ص:198

(37)احمد اختر مرزا: مناقب فریدی: ص:39

(38)سر، سید احمد خان: آثار الصنادید، دہلی، سنٹرل بک ڈپو، 1965ع، ص:481

(39)غالب، مرزا اسد اللہ: اردوئے معلے، جلد دوم، آگرہ، مطبع مفید عام، 1914ع، ص:17

(40)خلیق احمد نظامی، پروفیسر: تاریخ مشایخ چشت، جلد پنجم، ص:200

(41)درد، میر نظر علی کاکوروی: (مترجم و مرتب) فخر الطالبین و مناقب فخریہ، ص:320

Bibliography

1- Abullis Sidique,Dr,Lakhnow ka Dabistan-e Shairi,vol.1,Karachi,Ghazanfar Academy,2002

2- Ahmad Akhtar Mirza,Manaqib-e-fareedi,Dehli,Mutibba Ahmadi,1314A.H

Bayan,kawaja Ahsanullah khan,Dewan-e-Bayan,muratiba,Arjamand Bano,Dehli,Anjaman-e-Taraqqi-e-Urdu(Hind),2001

4- Bedar,Shah Muhammadi,Dewan-e-Bedar,muratiba Jalil Qudwai,U.P Illahabad,Hinustani Academy,1937

5- Dard,Mir Nazar Ali kakorvi,Fakhar-ul-Talibeen wa Manaqib-e-Fakharia,Karachi,Oxford Academy Press,2007

6- Ghalib,Mirza Asadullah,Urdu-e-Mualla,vol.2,Aagra,Mutibba Mufeed-eAam,1914 7- Khaleeq Ahmad Nizami,Prof,Tareekh-e-Mashaaikh-e-Chisht,vol.1,Karachi,Oxford Academy Press,2007

8- Lutf,Mirza Ali,Gulshan-e-Hind,muratiba Moulvi Abdul Haq,Lahore, Rifah-e-Aam Esteem Press,1906

9- Moulana Hasrat Mouhani,Intikhab Dewan-e-Mus'hafi,Lahore, Maktab Mairi Library,1970

10- Moulana Hakeem Syed Abdulhai,Gul-e-Ra'na,Azamgarh,Mutibba ma'arif,1370A.H 11- Moulvi Bashir Ahmad Dehlvi,Waqeaat Dar-ul-Hakoomat Dehli, vol.2 Aagra, 1919 12- Muhammad Alam Shah Faridi,Dehlvi,Mazaraat-e-Aoulia-e-Dehli, Jayyid Barqi Press,1346A.H

13- Mus'hafi,Ghulam Hamdani,Tazkira-e-Hindi,muratiba Moulvi Abulhaq,Aourangabad,Anjman Taeaqqi-e-Urdu,1933

14- Mus'hafi,Ghulam Hamdani,Riaz ul Fusaha,muratiba Moulvi Abulhaq,Aourangabad,Anjman Taeaqqi-e-Urdu,1934

15- Niaz,Shah Niaz Ahmad Brailvi,Dewan-e-Niaz Brailvi,muratiba, Anwaar- ul- Hasan,Lacknow,Mutibba Newalkashore.

16- Qasim,Hakeem Qudratullah,Majmooa-e-Naghz, vol.2, muratiba Moulvi Abdul Haq,Lahore,Punjab University,1933

17-Sha Kaleemullah Dehlvi ,Maktobaat-e-kaleem , Dehli ,Mutibba Yousufi ,1301A.H 18- Sh eefta,Nawab Muhammad Mustafa,Gulshan-e-Baikhar,Karachi, Academi of Educational Research,1962

19- Sir,Syed Ahmad Khan,Asaar-ul-Sanadeed,Dehli,Centeral Book Dippu,1965 20- Yaqoob Aamir,Dr,Urdu kay Ibtedai Adabi Ma'rkay,New Dehli,QaumiCouncil brae Firogh-e-Adab,Hakoomat Hind,2015